# تفسیر نمونہ میں مباحثِ علوم القرآن کا تجزیاتی مطالعہ

# Analytical Study of the themes of 'Ulūm al-Qur'ān in *Tafsīr e- Namūnah*

محمد مدثر شفیق *

## Abstract

*The trend of writing Qur'ānic commentary by Muslim scholars in numerious languages has been a common and continuous process down the centuries. Qur'ānic tafāsīr represent various schools and doctrines. Experts of the discipline have categorized tafsīrī riwāyāt (reports based on indivisual judgements of mufassirūn) into two major categories of authentic/accepted and unauthentic/not accepted. In a report attributed to Ibn 'Abbās (may Allah be pleased with him), Tafsīr has been divided into four types of: (a) that the Arabs know by their language, (b) which no one can be excused from not knowing (i.e. mandatory to know), (c) which the scholars are aware of and (d) which none can know except for Allah. The present article provides an analytical study of the themes of 'Ulūm al-Qur'ān found in Tafsīr e- Namūnah written by a group of Iranian scholars headed and supervised by Āyatullāh Nāṣir Makārim Shīrāzi, all associated to the ithnā 'ashari shī'ah Islam. The commentary was first written in Persian and then translated to other languages including Urdu.*

**Keywords**: Āyatullāh Nāṣir Makārim Shīrāzi, Tafsīr e- Namūnah, 'Ulūm al-Qur'ān

تفسیر نمونہ کے مرکزی مفسر آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی ۱۹۲۴ء میں شیراز (ایران) میں پیدا ہوئے۔ پرائمری اور ہائی سکول کی تعلیم شیراز سے مکمل کی۔ ۱۴ سال کی عمر میں اسلامیات کی بنیادی تعلیم آغا باب خان سے شروع کی۔ ۱۸ سال کی عمر میں قم کے مدرسہ میں علم معرفت والہیات کے مطالعہ کے لئے داخلہ لیا اور اگلے پانچ سالوں تک اسلامی مجالس میں موجود رہے۔[1] قم میں قیام کے دوران آپ نے کئی تعلیمی سرگرمیاں شروع کرر کھی تھیں جن میں سر فہرست "مکتبہ اسلام" نامی رسالہ تھا جو آج تک نکل رہا ہے۔ آپ نے "جوانوں کی حفاظت کرنے والی مذہبی کونسل" کے نام سے طالب علموں کی ایک تنظیم بنا کر اس میں دنیا کے آٹھ مذاہب پر گفتگو کروائی۔ تھوڑے ہی عرصے میں طلباء اس قابل ہو گئے کہ ہر کوئی اپنے مخصوص میدان میں سب سے بہتر جاننے والا بن گیا۔ یہ گروپ آج تک حوضۂ علمیہ میں مختلف عنوانات پر کام کرنے میں مصروف ہے۔ آپ نے تقریباً 130 کتابیں لکھی ہیں جو سب چھپ چکی ہیں جن میں بہت سی 30 سے زائد مرتبہ چھپ چکی ہیں اور کچھ کا 10 سے زائد زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ ان میں آپ کی مشترک تالیف "تفسیر نمونہ" بھی شامل ہے۔

### تفسیر نمونہ کا مختصر تعارف:

27 جلدوں پر مشتمل تفسیر نمونہ میں اہلسنت واہل تشیع دونوں مفسرین کی تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ خاص مواقع پر لغوی ابحاث چھیڑے گئے ہیں۔ اعتدال پسندی کے ساتھ معاشرتی اور سماجی معاملات کے عملی پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس تفسیر میں آیت اللہ مکارمؒ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کے مطابق دونوں مکاتب فکر (اہلسنت واہل تشیع) کا نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

آیت اللہ شیرازیؒ مقدمہ میں اپنی تفسیر کی خصوصیات کی بابت لکھتے ہیں کہ:

* پی۔ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔

1. قرآن چونکہ کتاب زندگی ہے اس لئے آیات کی تفسیر میں بالخصوص اجتماعی مسائل کی طرف توجہ دی گئی ہے۔
2. آیات میں بیان کیے گئے عنوانات کو ہر آیت کے ذیل میں جچی تلی اور مستقل بحث کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً سود، غلامی، عورتوں کے حقوق، حج کا فلسفہ، قمار بازی کی حرمت کے اسرار، شراب، سؤر کا گوشت، جہاد اسلامی کے ارکان واہداف وغیرہ کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے تاکہ قارئین دوسری کتب کی طرف رجوع کرنے سے بے نیاز ہو جائیں۔
3. کوشش کی گئی ہے کہ آیات کا ترجمہ رواں، سلیس، منہ بولتا لیکن گہرا اور اپنی نوع کے لحاظ سے پرکشش اور قابل فہم ہو۔
4. لاحاصل ادبی بحثوں میں پڑنے کی بجائے خصوصی توجہ اصل لغوی معانی اور آیات کے شان نزول کی طرف دی گئی ہے۔ کیونکہ قرآن کے دقیق معانی سمجھنے کے لئے یہ دونوں چیزیں زیادہ بہتر ہیں۔
5. مختلف اشکالات، اعتراضات اور سوالات جو بعض اوقات اسلام کے اصول وفروع کے بارے میں کیے جاتے ہیں ہر آیت کی مناسبت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا جچا تلا مختصر جواب دے دیا گیا ہے۔ معراج، تعدد ازواج، عورت اور مرد کی میراث کا فرق، عورت اور مرد کے خون بہا میں اختلاف، قرآن کے حروف مقطعات، احکام کی منسوخی، اسلامی جنگیں اور غزوات، مختلف الٰہی آزمائشیں اور ایسے ہی بیسیوں سوالوں کے جوابات دیے گئے ہیں تاکہ کوئی استفہامی علامت باقی نہ رہے۔
6. ایسی پیچیدہ وعلمی اصطلاحات جن کے نتیجے میں کتاب ایک خاص صنف سے مخصوص ہو جائے، سے دوری اختیار کی گئی ہے۔ البتہ ضرورت کے وقت علمی اصطلاحات کے ذکر کے بعد ان کی واضح تفسیر وتشریح کر دی گئی ہے۔[2]

**تفسیر نمونہ میں مباحثِ علوم القرآن:**

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ایسی کتاب ہے جس کو نبی کریم ﷺ پر اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اور بحثیت شارع آپ ﷺ کو یہ فریضہ سونپا گیا ہے کہ میرے بندوں تک میرا پیغام پہنچا دیں۔ اب جس طرح ہر علم کو سمجھنے کے لیے کچھ علوم کا سیکھنا ضروری ہے اسی طرح اس پیغام کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کچھ علوم کو سیکھا جائے کیونکہ قرآن پاک کی کافی آیات ایسی ہیں جن کے اصل مقاصدِ خداوندی کو پانے میں اس وقت تک دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب تک ان علوم قرآنیہ کو سیکھ نہ لیا جائے اسی لیے مفسر جب بھی کوئی تفسیر لکھتا ہے تو ان علوم تک اس کی دسترس اور قرآن فہمی کیلیے ان کو جاننا انتہائی ضروری ہے۔

**وحی اور اس کی حقیقت:**

کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے اور حاکم مقتدر اعلیٰ بھی وہی ہے اس کی حاکمیت اور شارعیت کا لازمی تقاضیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے احکام بتائے تاکہ وہ ان کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ان احکام کو پہنچانے کے لیے وہ اپنے بندوں میں سے بعض کو اپنی نمائندگی کے لیے منتخب کر لیتا ہے اور وحی کے ذریعے اپنے احکامات اور ہدایات کو لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

ابن منظور وحی کا لغوی معنی لکھتے ہیں:

"الوحی الاشارة والکتابة والرسالة والالهام والکلام الخفی و کل ما القیته الی غیرك"[3]

"وحی کا معنی اشارہ کرنا، خط لکھنا، پیغام بھیجنا، دل میں کوئی بات ڈال دینا، سرگوشی کرنا اور ہر وہ بات جو دوسرے کی جانب پھینک دی گئی ہو"

اور وحی کا شرعی مفہوم حافظ ابن حجرؒ یوں بیان کرتے ہیں:

"الوحی شرعا اعلام الشرع وقد یطلق الوحی و یراد به اسم المفعول منه ای الموحی وهو کلام الله المنزل علی النبی ﷺ[4]

"وحی کے شرعی معنی ہیں کہ شرعی احکام کی خبر دینا لیکن اس کا استعمال اسم مفعول کے معنوں میں بھی ہوتا ہے یعنی وہ کلام جو نبی ﷺ پر اتارا گیا ہو"۔

وحی الٰہی کی وضاحت کرتے ہوئے آیت اللہ شیرازی لکھتے ہیں کہ وحی الٰہی حصول علم کے ذریعوں میں سے ایک اہم ذریعہ ہے اور جس کا منبع خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں لفظ وحی کو مختلف معانی کیلیے استعمال کیا گیا ہے۔ کبھی انبیاء کے بارے میں، کبھی انسانوں کے بارے میں، کبھی انسانوں کے باہمی روابط کے بارے میں، کبھی شیاطین کے مرموز باہمی روابط کے بارے میں اور کبھی حیوانات کے بارے میں۔ اس بارے میں سب سے زیادہ جامع امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی وہ گفتگو ہے جو آپؑ نے ایک شخص کے وحی کے بارے میں سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی اور اس میں آپ نے وحی کو سات اقسام میں تقسیم کیا۔

**۱۔ وحی رسالت و نبوت:**

جیسے قرآن مجید میں ہے:

"إِنَّآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ كَمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ نُوحٖ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعۡدِهِۦۚ وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ وَٱلۡأَسۡبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيۡمَٰنَۚ وَءَاتَيۡنَا دَاوُۥدَ زَبُورا"[5]

**۲۔ وحی بمعنی الہام و ہدایت:**

"وَأَوۡحَىٰ رَبُّكَ إِلَى ٱلنَّحۡلِ"[6]

**۳۔ وحی بمعنی اشارہ:**

"فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوۡمِهِۦ مِنَ ٱلۡمِحۡرَابِ فَأَوۡحَىٰٓ إِلَيۡهِمۡ"[7]

**۴۔ وحی بمعنی تقدیر:**

"وَأَوۡحَىٰ فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمۡرَهَا"[8]

**۵۔ وحی بمعنی امر:**

"وَإِذۡ أَوۡحَيۡتُ إِلَى ٱلۡحَوَارِيِّـۧنَ أَنۡ ءَامِنُواْ بِي وَبِرَسُولِي"[9]

**۶۔ وحی بمعنی جھوٹ بولنا:**

"وَكَذَٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوّا شَيَٰطِينَ ٱلۡإِنسِ وَٱلۡجِنِّ يُوحِي بَعۡضُهُمۡ إِلَىٰ بَعۡض زُخۡرُفَ ٱلۡقَوۡلِ غُرُورا"[10]

**۷۔ وحی بمعنی خبر:**

"وَجَعَلۡنَٰهُمۡ أَئِمَّة يَهۡدُونَ بِأَمۡرِنَا وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ ٱلۡخَيۡرَٰت"[11]

لیکن انبیاء سے متعلق وحی کا تصور اور اس کی اقسام وہی ہیں جو سورہ شوریٰ میں بیان کی گئی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحۡيًا أَوۡ مِن وَرَآيِٕ حِجَابٍ أَوۡ يُرۡسِلَ رَسُولا"[12]

مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے تین طریقے بیان کیے ہیں:

**۱۔ دل میں القاء:**

ایسا بہت سے انبیاء کے ساتھ ہوتا تھا۔ جیسے حضرت نوح کے بارے میں ارشاد ہے:

"فَأَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡهِ أَنِ ٱصۡنَعِ ٱلۡفُلۡكَ بِأَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا"[13]

**۲۔ پردے کے پیچھے سے:**

جیسا کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ خدا نے کوہ طور پر باتیں کیں۔

''وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكۡلِيما ''[14]

بعض مفسرین نے "من وراء حجاب" میں سچے خوابوں کو بھی شامل کیا ہے۔

**۳۔ پیامبروں کو بھیج کر:**

جس طرح اسلام کے عظیم پیغمبر ﷺ کے بارے میں ہے:

''قُلۡ مَن كَانَ عَدُوّا لِّجِبۡرِيلَ فَإِنَّهُۥ نَزَّلَهُۥ عَلَىٰ قَلۡبِكَ بِإِذۡنِ ٱللَّهِ''[15]

آیت اللہ شیر ازی بھی وحی کی تین اقسام کے قائل ہیں لیکن نبی کریم ﷺ پر نزول وحی کے مختلف طریقے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ البتہ پیغمبر پر وحی کا نزول صرف انہی طریقوں سے نہیں تھا بلکہ اور بھی طریقوں سے آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ مگر باقی تمام اقسام فروعی حیثیت کی حامل ہیں۔[16] وحی کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں اہل تشیع و اہل سنت میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔

**نزول قرآن:**

مکی و مدنی سورتوں کا بیان:

نزول قرآن سے تعلق رکھنے والی ایک بحث یہ بھی ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں سے کیا مراد ہے اور اس کی تعریف کیا ہے؟ جمہور کا قول یہ ہے کہ: '' المکی ما نزل قبل الهجرة وان کان بالمدینه والمدنی ما نزل بعد الهجرة وان کان بمکة''[17]

''مکی وہ ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اگرچہ نزول مدینہ میں ہوئی ہو اور مدنی وہ ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہو اگرچہ نزول مکہ میں ہو''

آیت اللہ شیر ازی تفسیر نمونہ میں تمام سورتوں کی ابتداء میں واضح کرتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی؟ اسکی آیات کی تعداد کتنی ہے؟ اور سورہ کے نام کی وجہ تسمیہ کو بھی بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ آل عمران کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ یہ سورت باتفاق مفسرین دو سو آیات پر مشتمل ہے۔ اس کی تمام آیات مدینہ میں نازل ہوئیں۔ آلِ عمران کی مناسبت سے اس کا نام آل عمران رکھا گیا اور یہ واقعہ آیت ۳۲ کے بعد اس سورہ میں موجود ہے۔[18] اسی طرح سورہ اخلاص کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ۴ آیات ہیں۔[19]

**قرآن کا نزول، یکبارگی یا دفعتًا:**

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید ۲۳ سال میں وقفے وقفے سے نازل ہوا۔ جس کا تعلق زندگی میں پائے جانے والے مختلف واقعات اور حالات کے ساتھ مماثلت کی حکمت اور قرآن کا اعجازی پہلو تھا۔ تفسیر نمونہ میں بھی اس قول کی تائید نظر آتی ہے کہ قرآن مجید ۲۳ سال میں نازل ہوا۔

آیت اللہ شیر ازی نزول قرآن کے دو طریقے بیان کرتے ہیں۔

۱۔ دفعتًا نزول۔ ۲۔ تدریجاً نزول

لیکن قرآن مجید کا شب قدر میں نزول اور قرآن کے دفعتًا یا تدریجاً نزول کے سوال کو اٹھاتے ہوئے ایک الگ پہلو سامنے لاتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو دفعتًا نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر اتارا گیا دلیل میں مندرجہ ذیل آیات لاتے ہیں۔

''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیَ أُنزِلَ فِیْهِ الْقُرْآن''[20]

اور اسی طرح:

''إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ،وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ''[21]

مجموعی طور پر ان آیات سے یہ بات بخوبی سمجھ آتی ہے کہ مبارک رات جس میں قرآن نازل ہوا شب قدر ہے جو ماہ رمضان میں ہے۔اور دفعتاً نزول ایک ہی مرتبہ مجموعی صورت میں خدا کی طرف سے پیغمبر ﷺ کے پاک دل پر ماہ رمضان کی شب قدر میں نازل ہوا۔[22]

اور مزید تحریر کرتے ہیں کہ:

''اس بارے میں بات پوری طرح واضح نہیں ہے کہ قلب پیغمبر ﷺ پر دفعتاً نزول کی صورت کیا ہے یا اس کے مفہوم اور حقائق کیا ہیں؟لیکن اتنا سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ تو یہ قرآن پیغمبر اسلام ﷺ کے مقدس قلب پر ایک ہی رات میں نازل ہوا اور دوسری دفعہ ۲۳ سال کی تدریجی مدت میں''[23]

لیکن دوسرے شیعہ مفسرین نے آیت مبارکہ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ[24] کی تفسیر میں ایک حدیث بیان کی ہے۔جس میں یہ بات واضح ہے کہ قرآن دفعتاً بیت المعمور کی طرف نازل کیا گیا ہے۔جس کے راوی حضرت جعفر صادقؒ ہیں کہ اس مبارک رات سے مراد شب قدر ہے جس میں خدائے بزرگ نے قرآن کو ایک ہی مرتبہ بیت المعمور کی طرف نازل کیا پھر بیس سال کے عرصے میں رسول پاک ﷺ پر تدریجاً نازل ہوا۔مزید لکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا گفتگو اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید شب قدر میں بیت المعمور میں نازل ہوا۔کیونکہ پیغمبر اسلام ﷺ کا قلب بیت المعمور سے بھی تو آگاہ تھا۔[25]اس مکمل گفتگو سے یہ واضح ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک بھی بنیادی طور پر نزول قرآن کی دو ہی صورتیں ہیں لیکن تفسیر نمونہ میں دفعتاً نزول سے مراد قلب پیغمبر پر نزول لیا گیا ہے۔لیکن بیت المعمور اور قلب پیغمبر میں آیت اللہ شیرازی مندرجہ بالا تطبیق کرتے نظر آتے ہیں۔

**اسباب نزول:**

دراصل شان نزول سے مراد وہ خاص پس منظر اور حالات وواقعات ہیں جن میں قرآن کی بعض آیات یا سورتیں نازل ہوتی ہیں ان احوال کو جانے بغیر ان آیتوں کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔

امام سیوطیؒ، سبب نزول کی وضاحت کے لیے علامہ ابوالحسن الواحدیؒ کا قول لکھتے ہیں کہ:

''لا يمكن تفسير الاية دون الوقوف على قصتها و بيان شان نزولها ''[26]

''کسی آیت کی تفسیر اس سے متعلق قصے کو جانے بغیر اور اس کے شان نزول کے جانے بغیر ممکن نہیں ہے''

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''معرفة سبب النزول يعين على فهم الاية فان العلم بالسبب يورث العلم بالمسبب''[27]

''سبب نزول کا جاننا آیت کے فہم میں مدد دیتا ہے اس لیے کہ سبب کے علم سے مسبب کا علم حاصل ہوتا ہے''

اسی طرح سے جو مفسرین بھی قرآن کی تفسیر کرتے ہیں وہ سبب نزول کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔اسی بناء پر تفسیر نمونہ میں مفسر نے سبب نزول کو کافی اہمیت دی ہے۔اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آیات کے پیش نظر اس آیت کا نہ صرف اپنے ہم مکتب کی کتب تفاسیر میں بیان کردہ سبب نزول بیان کرتے ہیں بلکہ اہلسنت کی کتب تفاسیر میں موجود سبب نزول کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔

مثال کے طور پر:

''يَا أَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَقُولُواْ رَاعِنَا وَقُولُواْ انظُرْنَا''[28]

اس آیت کے سبب نزول میں پہلے ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

”ابتداء اسلام میں جب مسلمان آپ ﷺ سے گفتگو میں مشغول ہوتے اور آپ آیات و احکام الٰہی بیان کر رہے ہوتے تو وہ کبھی کبھی درخواست کرتے کہ ذرا آہستہ گفتگو فرمائیں تاکہ وہ مطلب اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اور اپنے سوالات و معروضات پیش کر سکیں۔ اس درخواست کے لیے وہ لفظ "راعنا" استعمال کرتے جس کا مادہ "الرعی" ہے اور معنی "مہلت دینا" اور ایک مادہ "الرعونہ" کے حوالہ سے کرتے ہیں۔ کہ ہمیں بیوقوف بنایئے۔ لیکن یہودی اس جملے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے۔ غلط فائدہ اٹھانے کے اس سلسلہ کو روکنے کے لیے حکم دیا کہ "راعنا" کی بجائے "انظرنا" استعمال کرو“۔[29]

اہلسنت کی تفسیر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

”بعض مفسرین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہودی "راعنا" کی بجائے "راعینا" کہتے تھے جس کا معنی "ہمارا چرواہا" اور پیغمبر کیلیے یہ جملہ استعمال کر کے اپنا مقصد پورا کرتے تھے“۔[30]

اور کہیں کہیں دوطرفہ اسباب نزول بیان کر کے آخر پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ واقعہ افک میں نظر آتا ہے۔ اہلسنت کی تفاسیر میں موجود سبب نزول بیان کرنے کے بعد اہل تشیع کی کتب میں بیان کردہ سبب نزول ذکر کرتے ہیں۔

”رسول اللہ ﷺ کی زوجہ عائشہؓ نے آپ ﷺ کی زوجہ ماریہ قبطیہ پر تہمت لگائی کیونکہ ماریہ قبطیہ سے ایک بیٹا تھا اس کا نام ابراہیم تھا۔ وہ دنیا سے چل بسے تو رسول اللہ ﷺ شدید غمگین ہوئے عائشہؓ نے کہا آپ ﷺ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ وہ تو درحقیقت آپ ﷺ کا بیٹا ہی نہ تھا وہ تو جریج قبطی کا بیٹا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ بات سنی تو حضرت علیؓ کو جریج کے قتل پر مامور کیا کہ جو اس قسم کے جرم کا مرتکب ہوا تھا۔ جب علیؓ برہنہ شمشیر لیے جریج کی تلاش میں نکلے تو اس کی آپؓ پر نظر پڑی۔ اس نے علیؓ کے چہرے پر آثار غضب دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا اور کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ علیؓ اس تک آ پہنچیں تو اس نے درخت سے چھلانگ لگادی۔ اس اثناء میں اس کا لباس اوپر ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اس کا آلہ تناسل بالکل ہے ہی نہیں۔ علیؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، آپ ﷺ کے حکم پر قطعی عمل کروں یا تحقیق کرلوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تحقیق کرلو، اس پر علیؓ نے وہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اس پر پیغمبر خدا اللہ کا شکر بجالائے اور فرمایا اس اللہ کا شکر ہے جس نے بدی اور آلودگی کو ہمارے دامن سے دور رکھا“۔[31]

اس شان نزول کو بیان کر کے آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کچھ اعتراضات کی شکل میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس شان نزول کے مطابق تہمت صرف ایک خاتون (عائشہ صدیقہؓ) نے لگائی تھی۔ جب کہ آیات صراحت کے ساتھ کہتی ہیں کہ یہ متعدد افراد کا کام تھا اور انہوں نے یہ مل کر پروپیگنڈا کیا تھا اور بات پورے ماحول میں پھیل گئی تھی۔ اس لئے ان مسلمانوں پر عتاب و سرزنش کے لئے جو ضمیریں استعمال ہوئی ہیں سب جمع کی ضمیریں ہیں۔ اگر یہ تہمت حضرت عائشہؓ نے لگائی تھی اور معاملہ اس کے برخلاف ثابت ہو گیا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے ان پر حد تہمت کیوں جاری نہیں کی؟[32]

مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہو گیا ہے کہ تفسیر نمونہ میں سبب نزول کو وہی اہمیت دی گئی ہے جو ایک مفسر کو قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے دینی چاہیے۔

**ناسخ و منسوخ:**

علوم القرآن کی ایک اہم بحث ناسخ و منسوخ کی ہے اور اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے ہیں۔ اس علم کی روشنی میں قرآن مجید کی منسوخ اور ناسخ آیات کا پتہ چلتا ہے جس سے قرآنی احکام کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے تاکہ پہلے حکم کو منسوخ اور بعد والے حکم کو اس کا ناسخ مان کر عمل کیا جائے۔

علامہ عبد القادر بن بدران نسخ کی تعریف یوں کرتے ہیں :

'' رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متراخ''[33]

''شرعی حکم کو بعد میں آنے والی شرعی دلیل سے اٹھا لینا''

تفسیر نمونہ میں ناسخ و منسوخ کا اہتمام کرتے ہوئے اس کو قبول کیا گیا ہے۔ جیسا کہ البقرۃ کی آیت ۱۰۶ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍمِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ''[34]

اس آیت کی تفسیر میں مثال دیتے ہوئے آیت اللہ شیرازی لکھتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں زمانے اور علاقے کے لحاظ سے انسان کی ضروریات بدل جاتی ہیں ایک دن ایک پروگرام اس کی سعادت کا ضامن تھا لیکن دوسرے دن ممکن ہے حالات بدل جانے سے وہی راستے کا کانٹا بن جائے۔ اسی طرح عقلی دلائل دینے کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے انکار اور اعتراضات پر ان کے ہاں موجود نسخ کے دلائل پیش کر کے ثابت کرتے ہیں کہ نسخ ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ تورات میں حضرت نوحؑ کے لیے تمام جانور حلال تھے جبکہ یہ حکم شریعت موسوی میں منسوخ ہو گیا۔[35] لیکن بہت سی ایسی آیات جو اہل سنت کے ہاں منسوخ کا درجہ رکھتی ہیں ان کے ذیل میں مختلف تفسیری اقوال نقل کر کے جن میں اہلسنت مفسرین کے اقوال بھی شامل ہیں، ذکر کرتے ہیں۔ اور کسی ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

''كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَاحَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ''[36]

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ قوانین اسلام کی رو سے وصیت ایک عمل مستحب ہے لیکن ایسا مستحب جس کی تائید بہت زیادہ ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ کے جملے سے اس حکم کا بیان کیا گیا ہے اس لیے آیت کے آخر میں "حقا علی المتقین" آیا ہے۔ اگر یہ حکم وجوبی ہوتا تو فرمایا جاتا "حقا علی المومنین"۔ کچھ دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔ اس وقت اموال کے بارے میں وصیت کرنا واجب تھا تاکہ ورثہ میں اختلاف و نزاع نہ ہو۔ لیکن آیات میراث نازل ہونے کے بعد یہ وجوب منسوخ ہو کر استحبابی صورت میں باقی رہ گیا ہے۔ پہلی بیان کردہ تفسیر کی تائید میں لکھتے ہیں کہ اوپر بیان کردہ تفاسیر میں پہلی تفسیر حق و حقیقت کے زیادہ قریب نظر آتی ہے۔[37] ناسخ و منسوخ آیات کے چناؤ میں اختلاف تو مفسرین کے ہاں ہمیشہ سے رہا ہے مگر آیت اللہ مکارم نے بھی اپنی تفسیر میں علوم القرآن کے اس علم کا نہ صرف اہتمام کیا ہے بلکہ اس کو قبول کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

''أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَاللهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُون''[38]

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

''جو کچھ مسلمانوں کو اس حکم سے سمجھنا چاہیے تھا اور درس لینا چاہیے تھا اس کو انہوں نے سمجھا اور درس لیا۔ لہذا بعد والی آیت ۱۳ نازل ہوئی اور اوپر بیان کردہ آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔''[39]

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تفسیر نمونہ میں آیات کو ناسخ و منسوخ کے طور پر قبول کیا گیا ہے ہاں مگر کچھ مفسرین کی طرح آیات کی تعداد اور چناؤ میں اختلاف موجود ہے جیسا اوپر بیان کردہ وصیت سے متعلقہ آیت اہلسنت کے ہاں آیات میراث سے منسوخ ہے جبکہ تفسیر نمونہ میں اس کو منسوخ قرار نہیں دیا گیا۔

**محکم و متشابہ آیات اور حروف مقطعات:**

قرآن مجید کی آیتوں کی تقسیم دو حوالوں سے کی گئی ہے۔ایک قسم کی آیات محکمات اور دوسری قسم کی آیات کو متشبہات کہا جاتا ہے۔

''هُوَ الَّذِیَ أَنزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ''[40]

''اے نبی ﷺ اللہ نے آپ ﷺ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس کی بعض آیات محکمات ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض آیات متشابہات ہیں''۔

اس آیت سے یہ واضح ہوا کہ دراصل قرآن مجید نے خود اپنی آیات کی تقسیم محکمات اور متشابہات کے نام سے کر دی ہے۔ محکم آیات سے مراد وہ ہیں جن کا مطلب بڑا واضح ہوتا ہے اور جو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔ان کا مفہوم متعین ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''لیعلم ان المحکم ما لم یفهم منه العارف باللغة الا معنیً واحدا''[41]

''محکم سے مراد وہ کلمہ ہے کہ لغت کے جاننے والے اس کا ایک ہی معنی سمجھیں''

آیت اللہ شیرازی محکم آیات کی تعریف کرتے ہیں:

''لفظ محکم دراصل احکام سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے ممنوع قرار دینا۔اس لیے پائیدار اور استوار چیزوں کو محکم کہتے ہیں۔چونکہ نابودی اور تباہی کے عوامل ان سے دور ہوتے ہیں۔واضح اور قطعی باتیں جو ہر مخالف احتمال کو اپنے سے دور کر دیں بھی محکم کہلاتی ہیں۔اس لیے آیات محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن کا مفہوم اس قدر واضح ہے کہ ان کے معنی میں گفتگو اور بحث و تمحیص کی گنجائش نہ ہو۔''[42]

مثال کے طور پر:

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ''[43]

وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ''[44]

''تمہارا معبود ایک ہی ہے''

اس جگہ یہ فرمایا گیا ہے کہ تمام انسانوں کے لیے ایک ہی معبود ہے وہی سچا اور حقیقی ہے اسی کی عبادت کی جانی چاہیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

'وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا''[45]

''اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے''

اس مقام پر قرآن مجید نے جس طرح سے تجارت اور سود کی وضاحت کی ہے تو کسی طرح سے کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔متشابہ آیات سے مراد قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن کے معنی واضح نہ ہوں،جن کا مفہوم پوری طرح سمجھا نہ جا سکے، جن کی کیفیت ہماری عقل سے ماوراء ہو اور جن کی مختلف تاویلیں ہو سکتی ہوں ۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''والمتشابه ما احتمل معنيين لاحتمال رجوع ضمير الى مرجعين''[46]

''متشابہ سے مراد وہ لفظ یا کلمہ ہے کہ اس میں آمدہ ضمیر دو مراجع کی طرف لوٹنے کا احتمال ہو''

مثال کے طور پر:

''الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ''[47]

''رحمٰن عرش پر قائم ہوا''

اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا عرش کیسا ہے ؟ وہ اس پر کس طرح سے براجمان ہے؟ایسے تمام سوالات کا جواب اللہ کی ذات بہتر جانتی ہے ۔وہ اپنی شایان شان حیثیت کے مطابق اپنے عرش پر جلوہ گر ہے ۔

آیت اللہ شیرازی متشابہ آیات کی تعریف کرتے ہیں:

''لفظ متشابہ سے دراصل ایسی چیز مراد ہے جس کے مختلف حصے ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہوں اسی لیے وہ جملے اور کلمات جن کے معانی پیچیدہ ہوں اور بعض اوقات ان کے بارے میں مختلف احتمالات پیدا ہو جائیں ،متشابہ کہلاتے ہیں''[48]

محکم اور متشابہ آیات کی گفتگو میں مفسر ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ قرآن روشنی ہے ،حق ہے،ایک واضح کلام ہے اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے تو قرآن کی کچھ آیات متشابہ کیوں ہیں ؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے اور گہرے غور و فکر کا متقاضی ہے۔ہو سکتا ہے مجموعی طور پر مندرجہ ذیل وجوہات قرآن مجید میں آیات متشابہات کا سبب اور راز ہوں ۔

1. انسانوں کی گفتگو میں استعمال ہونے والے الفاظ اور جملے روز مرہ کی ضروریات کے ماتحت ہوتے ہیں اس لیے جب ہم انسان کی محدود مادی زندگی کے دائرے سے باہر نکلیں اور مثلاً خالق کائنات کے بارے میں گفتگو کریں جو ہر جہت سے لا محدود ہو تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارے الفاظ ان معانی کے لیے سانچے اور قالب کا کام نہیں دیتے۔ تاہم ہم وہی الفاظ استعمال کرنے پر مجبور ہیں اگرچہ یہ الفاظ مختلف پہلوؤں سے نا قبل اور نارسا ہیں۔الفاظ کی یہی نارسائی متشابہات قرآن کے اہم حصے کا سرچشمہ ہے۔الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى[49] جیسی آیات اسی مفہوم کے ادراک کے لیے نمونہ ہیں۔
2. بہت سے حقائق دوسرے جہاں یاعالم ماورائے طبیعت سے مربوط ہیں اور یہ حقائق ہماری فکر و نظر سے دور ہیں۔زمان و مکان کی قید میں محدود ہونے کی وجہ سے ہم ان کی گہرائی کا ادراک نہیں کر سکتے اس لیے ہمارے افکار کی نارسائی اور ان معانی کے افق کی بلندی بعض آیات کے متشابہ ہونے کا دوسرا سبب ہے۔اس کی مثال بعض وہ آیات ہیں جن کا تعلق قیامت وغیرہ سے ہے۔
3. قرآن مجید میں متشابہات کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ لوگوں کی فکر و نظر کو زیادہ سے زیادہ کام میں لایا جائے اور فکری تحرک پیدا ہو۔ہمیشہ پیچیدہ فکری مسائل مفکرین کے افکار کی تقویت کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ وہ مسائل کے حل کے لیے زیادہ سے زیادہ تفکر و تدبر اور تحقیق و جستجو سے کام لے سکیں۔
4. ایک اور نقطہ جو قرآن میں متشابہات کی موجودگی کے لیے ہے کہ قرآن میں ایسی آیات خدائی پیشواؤں،پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کے اوصیاء کی شدید احتیاج کو واضح کرتی ہیں اور یہ اس طرح کہ احتیاج علمی لوگوں کو مجبور کرے گی کہ وہ ان کی جستجو اور تلاش کریں اور عملی طور پر ان کی رہبری تسلیم کریں۔اس طرح دیگر علوم اور دیگر مشکلات میں بھی انہی سے رہنمائی حاصل کریں۔یہ بالکل اس

طرح ہے جیسے دوسری کتب میں کچھ مسائل کی تشریح معلم اور استاد کی ذمے کی جاتی ہے تا کہ طالب علم استاد سے اپنا رابطہ منقطع نہ کرے اور یوں اس ضرورت کے ماتحت تمام چیزوں میں اس کے افکار سے رہنمائی حاصل کرے۔[50]

**حروف مقطعات:**

حروف مقطعات دراصل وہ اکیلے اکیلے چند حروف ہیں جو قرآن مجید کی ۲۹ سورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں ان کو حروف مقطعات کیساتھ ساتھ متشابہات میں بھی شامل کیا جاتا ہے اور ان حروف کی تعداد ایک سے لیکر پانچ تک ہے جیسے ص، طٰہٰ، الم، المر، کھیعص۔ نہ تو یہ حروف آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور نہ ہی کوئی عام فہم معنی بنتا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت میں بھی ان حروف کو اسی طرح الگ الگ ہی پڑھا جاتا ہے۔ تفسیر نمونہ کے مفسر ان حروف کا معنی تو نہیں بتلاتے مگر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بے مقصد بھی نہیں ہیں۔ ان کا بھی کوئی مطلب یا پوشیدہ حکمتیں ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

آیت اللہ شیرازی الم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

> "قابل غور بات یہ ہے کہ ہم نے کسی تاریخ میں نہیں دیکھا کہ جہال عرب اور مشرکین نے قرآن کے کئی ایک سورتوں کی ابتداء میں موجود ان حروف مقطعات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا ہو یا ان کے باعث استہزاء تمسخر کیا ہو۔ یہ امر اس بات کی خبر دیتا ہے کہ گویا وہ لوگ بھی حروف مقطعات کے وجود کے اسرار سے بالکل بے خبر نہ تھے۔"[51]

ان حروف نے اس دور کے عرب دانوں کی فصاحت وبلاغت پر سوال کھڑا کر دیا حالانکہ عرب کے شعراء کے قیمتی اشعار ادبیات عرب کا سرمایہ ہیں۔ عرب شعراء اپنی اپنی تخلیقات مختلف مواقع پر پیش کیا کرتے اور ان میں سے بہترین کا انتخاب ہوتا۔ لیکن قرآن کی عظمت کے سامنے ان لوگوں نے بھی اپنے گھٹنے ٹیک دیئے۔

قرآن کے اسی اعجاز کا ذکر کرتے ہوئے آیت اللہ لکھتے ہیں کہ:

ایسے زمانے میں قرآن نے اپنی مثل لانے کی دعوت انہی لوگوں کو دی اور سب نے اظہار عجز کیا اور اس کے سامنے سر جھکا دیا۔ حروف مقطعہ کی تفسیر کا زندہ ثبوت وہ حدیث ہے جو امام سجاد علی بن الحسینؑ سے منقول ہے:

> "كذب قريش واليهود بالقران و قالو هذا سحر مبين فقال الله:الم ذلک الکتاب --- ای یا محمد ﷺ هذا الكتاب الذى انزلته اليک الحروف المقطعة التى منها الف و لام و م وهو بلغتكم فاتو بمثله ان كنتم صدقين"[52]

> "قریش اور یہودیوں نے یہ کہہ کر قرآن کی طرف غلط نسبت دی کہ یہ جادو ہے یہ خود ساختہ ہے اور اسے خدا سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ خدا نے انہیں خبر دار کیا اور فرمایا الم ذلک الکتاب یعنی جو کتاب ہم نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے وہ انہی حروف مقطعہ (الف، لام، م) وغیرہ پر مشتمل ہے جو تمہارے زیر استعمال ہیں، اگر تم سچے ہو تو اس کی مثل پیش کرو۔"

عظمت قرآن اور ان کے حروف میں پوشیدہ حکمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور ان کے بے مقصد ہونے پر اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے آیت اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک اور نقطہ جو قرآن کے حروف مقطعہ کے بارے میں اس نظریہ کی تائید کرتا ہے کہ قرآن میں ۲۴ مقامات ایسے ہیں جہاں سورتوں کی ابتداء جب ان حروف سے ہوتی ہے تو بلا فاصلہ قرآن اور اس کی عظمت سے متعلق گفتگو شروع ہو جاتی ہے یہ بات خود نشاندہی کرتی ہے کہ حروف مقطعہ اور قرآن میں ربط موجود ہے''

جیسے چند ایک مقامات یہ ہیں:

- طس تِلْکَ آیَاتُ الْقُرْآنِ وَکِتَابٍ مُّبِیْن[53]
- الم تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَابِ الْحَکِیْم[54]
- المص کِتَابٌ أُنزِلَ إِلَیْکَ فَلاَ یَکُن فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِکْرَى لِلْمُؤْمِنِیْن[55]

اور اس سورۃ (بقرۃ) کے آغاز میں بھی حروف مقطعہ کو بیان کرنے کے بعد اس آسمانی کتاب کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ وہی باعظمت کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔[56]

حروف مقطعات کی بحث میں سورہ اعراف میں آیا ہوا حرف جو ۴ حروف پر مشتمل ہے کی تفسیر میں ایک اہم پہلو کی طرف توجہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ممکن ہے ان حروف کے آغاز میں اغراض و مقاصد میں سے ایک بات یہ ہو کہ تلاوت قرآنی سے سننے والوں کی توجہ حاصل کی جائے اور انہیں خاموش رہنے کی دعوت دی جائے کیونکہ آغاز کلام میں ان حروف کا ذکر کرنا عربوں کی نظر میں ایک عجیب اور نئی چیز تھی جو ان میں جستجو کا جذبہ ابھارتی تھی اور غالباً ایسا ہوتا تھا کہ ان حروف کو سننے کے بعد وہ بعد والے مطالب کو بھی دھیان کے ساتھ سنتے تھے۔ اس نظریہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں وہ مکی ہیں۔''[57]

### جمع قرآن و تدوین:

جمع و تدوین سے مراد قرآن مجید کا مختلف مراحل سے گزر کر ایک مرتب کتابی صورت میں سامنے آنا ہے۔ اس علم کو "جمع و تدوین قرآن" کہتے ہیں۔ جمع و تدوین قرآن کا مقصد قرآن کی حفاظت کرنا تھا تاکہ قرآن جس طرح نازل ہوا ہے اسی طرح من و عن ایک کتاب کی صورت میں امت کے پاس پہنچ جائے۔ جمع قرآن کے بارے میں تفسیر نمونہ کی اول جلد میں سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ابتداء میں کچھ بحث نظر آتی ہے جس میں مفسر نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ مفسر کے مطابق جمع قرآن در حقیقت نبی کریم ﷺ کے دور اقدس میں ہی ہو چکا تھا مفسر بیان کرتا ہے کہ ایک گروہ میں یہ بات مشہور ہے کہ قرآن مجید نبی کریم ﷺ کے زمانے میں منتشر و پراگندہ صورت میں تھا۔ اور آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جمع ہوا۔ لیکن فاتحہ الکتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں اسی صورت میں جمع ہو چکا تھا اور اسی سورہ حمد سے اس کی ابتداء ہوئی تھی ورنہ یہ کوئی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت تو نہیں ہے کہ اس کا یہ نام رکھا جائے۔[58]

اس کے بعد اپنی رائے کی پختگی کیلیے مزید دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بہت سے دیگر مدارک بھی اس حقیقت کے مؤید ہیں کہ جس طرح آج قرآن جمع ہے نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی اسی طرح ہی تھا۔ حضرت جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ قرآن ریشم کے ٹکڑوں، کاغذ کے پرزوں اور ایسی دوسری چیزوں میں منتشر ہے اسے جمع کر دو۔ اس پر حضرت علیؓ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قرآن کو زرد رنگ کے کپڑے میں جمع کیا پھر اس پر مہر لگا دی۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی ایک حدیث نقل کی ہے جس کا مفہوم مندرجہ بالا حدیث سے ملتا جلتا ہے۔[59]

سید مرتضیٰ کہتے ہیں کہ:

"قرآن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی موجودہ صورت میں جمع ہو چکا تھا"[60]

طبرانی اور عساکر نے شعبی سے نقل کیا ہے:

"انصار میں سے چھ افراد نے قرآن مجید کو پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں جمع کیا تھا"[61]

مزید ایک اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"جو قرآن حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا وہ قرآن، تفسیر، شان نزول اور آیات وغیرہ کا مجموعہ تھا اور باقی رہا حضرت عثمانؓ کا معاملہ تو ایسے قرائن موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اختلاف قراءت سے روکنے کیلیے اسے ایک قراءت اور نقطہ گزاری کیساتھ معین کیا۔ کیونکہ اس وقت تک نقطے لگانا معمول میں نہ تھا۔"[62]

**خلاصہ بحث:**

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن فہمی اور اس کی تفسیر کیلیے علوم القرآن کا جاننا ضروری ہے اسی وجہ سے تفسیر نمونہ میں مفسر آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی نے علوم القرآن کے موضوعات پر اپنی تفسیر میں مختلف مقامات پر مفصل بحث کی ہے اور ان علوم کو جس طرح بیان کیا ہے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ اہل تشیع مفسرین کے نزدیک بھی ان علوم کی اہمیت اسی طرح سے ہے جس طرح سے اہل سنت کے ہاں قبول کی جاتی ہے۔ کچھ علوم میں کی گئی ابحاث میں آراء و نظریات کا اختلاف نظر آتا ہے جیسا کہ قرآن کے جمع کرنے کا معاملہ اور قرآن کا رسول اکرم ﷺ کے قلب اطہر پر دفعتاً نزول جیسی ابحاث ہیں جو کہ حسن کا سبب ہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ اختلاف کی نوعیت علمی ہونی چاہیے جیسا کہ تفسیر نمونہ میں مختلف مقامات پر نظر آتا ہے۔ اور ایسی ابحاث یا گفتگو جو فرقہ وارانہ ماحول کو ہوا دے، سے پرہیز بہتر ہے۔

**حواشی و حوالہ جات:**

1۔ www.wikipedia,the free encyclopedia.htm

2۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱/ ۳۶۔۳۷، مترجم (سید صفدر حسین نجفی) مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور، ۱۴۱۷ھ۔

3۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ وحی، ۱۵/ ۳۷۹۔

4۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱/ ۹، باب بدأ الوحی۔

5۔ القرآن، النساء: ۱۶۳۔

6۔ القرآن، النحل: ۶۸۔

7۔ القرآن، مریم: ۱۱۔

8۔ القرآن، حم السجدۃ: ۱۲۔

9۔ القرآن، المائدۃ: ۱۱۱۔

10۔ القرآن، الانعام: ۱۱۲۔

11۔ القرآن، الانبیاء: ۷۲۔

12۔ القرآن، الشوریٰ: ۵۱۔

13۔ القرآن، المؤمنون: ۱۲۔

14۔ القرآن، النساء: ۱۶۴۔

15۔ القرآن، بقرۃ: ۹۷۔

16۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱۱/ ۵۵۴۔

17۔ زرکشی، محمد بن عبد اللہ، امام، البرھان فی علوم القرآن، ۱/۱۸۷، نوع تاسع، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔
18۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۲/۷/۲۳۔
19۔ ایضاً: ۱۵/۵۵۲۔
20۔ القرآن، البقرۃ: ۱۸۵۔
21۔ القرآن، القدر: ۱۔۲۔
22۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱۲/۲۶۔
23۔ ایضاً: ۱۲/۲۷۔
24۔ القرآن، الدخان: ۳۔
25۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱۲/۲۷۔۲۸۔
26۔ سیوطی، جلال الدین، امام، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۹۳ النوع تاسع، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور۔
27۔ ابن تیمیہ، تقی الدین، امام، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص ۱۱، طبع قاہرہ، ۱۳۹۸ھ۔
28۔ القرآن، البقرۃ: ۱۰۴۔
29۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱/ ۲۹۰۔
30۔ رازی، فخر الدین، امام، تفسیر کبیر، ۳/۲۴۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ۔
31۔ الحویزی، علی بن جمعہ، علامہ، نور الثقلین، ۳/۵۷۰ مطبۃ الحکمۃ، قم، ایران۔
32۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۸/۱۸۵۔
33۔ ابن بدران، عبد القادر، علامہ، کشف الاسرار، ۳/۱۵۶، طبع صدف، کراچی۔
34۔ القرآن، البقرۃ: ۱۰۶۔
35۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱/۲۹۵۔
36۔ القرآن، البقرۃ: ۱۸۰۔
37۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱/۲۹۴۔
38۔ القرآن، المجادلہ: ۱۲۔
39۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱۳/۴۴۰۔
40۔ القرآن، ال عمران، ۷۔
41۔ شاہ ولی اللہ، امام، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۳۱۴۔
42۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۲/۲۵۰۔
43۔ القرآن، اخلاص، ۱۔
44۔ القرآن، البقرۃ، ۱۶۳۔
45۔ القرآن، البقرۃ، ۲۷۵۔
46۔ شاہ ولی اللہ، امام، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ ص ۳۱۴۔
47۔ القرآن، طٰہٰ، ۵۔
48۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۲/ ۵۱۔۲۵۰۔
49۔ القرآن، طٰہٰ، ۵۔
50۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۲/۵۴۔۲۵۳۔
51۔ ایضاً: ۱/۸۲۔
52۔ البحرانی، ہاشم، سید، البرھان فی تفسیر القرآن، ۱/۵۴، مؤسستہ الاعلیٰ، بیروت، ۱۴۱۷ھ۔
53۔ القرآن، النحل: ۱۔

[54] ۔ القرآن، لقمان:۱۔

[55] ۔ القرآن، الاعراف:۱۔

[56] ۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱/۸۵۔۸۴۔

[57] ۔ ایضاً: ۶/۸۰۔

[58] ۔ ایضاً: ۱/۴۷۔

[59] ۔ ایضاً: ۱/۴۶۔

[60] ۔ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان، ۱/۱۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۴۰۶ھ۔

[61] ۔ برہان پوری، حسام الدین، علامہ، کنزالعمال، ۲/۵۲، مطبوعہ موئسستہ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

[62] ۔ مکارم شیرازی، ناصر، آیت اللہ، تفسیر نمونہ، ۱/۴۶۔۴۷۔